حضرت عباسؑ کی شخصیت

محترمہ سیدہ عندلیب زہرا کامونپوری صاحبہ، لکھنؤ

سیرت رسولؐ نے جونقوش چھوڑے اور اہلبیت اطہارؑ نے جیسا ماحول پیش کیا وہ تاریخ سے پوشیدہ نہیں، اہلبیتؑ کی سیرت نے تمام شعبۂ زندگی کو درخشاں کر دیا۔ صالح ذہن کو نشوونما کے لئے اس سے بڑی مدد ملتی اور نیک دل انسان اس سے پوری طرح فیض یاب ہو گئے۔ صرف وہ لوگ جن کے ذہن پر باطل مسلط تھا اور جن لوگوں نے اپنے دلوں پر کفر کی مہر لگا رکھی تھی وہ اس زمانے اور ماحول میں بھی غلط راستے پر چلتے رہے، اور ماحول کے اثر سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ لیکن جن لوگوں نے اسی خاندان میں آنکھ کھولی اور ماحول سے مانوس رہے ان کی سیرت وکردار میں وہی جھلک نظر آئی۔ اس قیادت کے نقوش اتنے گہرے ہو چکے تھے کہ وہ کبھی دھندلے نہ ہوئے، بلکہ اس میں استحکام پیدا ہو گیا۔

حضرت عباسؑ نے ۲۶ھ میں امیر المومنین حضرت علیؑ کی گود میں آنکھ کھولی۔ امام ومعصوم باپ کے زیر تربیت بچپن کی منزلیں طے کیں۔ سبطین رسول حضرات حسنین علیہما السلام کے ساتھ پلے اور بڑھے۔ چنانچہ کمسنی ہی میں آپ اعلیٰ معرفت کی منزل تک پہنچ گئے۔

آپؑ کی والدۂ محترمہ جناب ام البنین تھیں، جس طرح ازواج رسولؐ میں جناب خدیجہ کے بعد حضرت ام سلمہ کا نمایاں مقام تھا اسی طرح حضرت خاتون جنتؑ کے بعد ازواج امیر المومنینؑ میں حضرت ام البنین کی بہت اہمیت ہے، تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب سیدہؑ کی وفات کے بعد اپنے بھائی حضرت عقیل سے فرمایا:

''میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے لئے ایسے خاندان کی عورت تجویز کریں جو نہایت بہادر اور جری ہو تاکہ اس عورت سے جو بچہ پیدا ہو وہ بھی نہایت ہی بہادر ہو۔''

چنانچہ جناب عقیل نے فرمایا کہ آپ فاطمہ کلابیہ سے شادی کریں کیونکہ وہ بہادر خاندان کی خاتون ہیں اور حضرت علیؑ نے آپ سے عقد فرمایا۔ آپ کا نام فاطمہ تھا، آپ حزام بن خالد بن ربیعہ بن لومی بن فالب بن کعب بن عامر بن صعصہ بن معاویہ ابی بکر بن ہوزان کی بیٹی تھیں۔ حضرت عباسؑ ان ہی کے بیٹے تھے۔

علامہ شیخ طاہر سماوی اپنی کتاب ابصار العین میں لکھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ صفین کی جنگ میں موجود تھے لیکن دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضرت علیؑ نے جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس واقعہ سے یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت عباسؑ کی فوجی تربیت اسی عہد سے جاری تھی۔ اور غالباً اذن جنگ اس لئے نہیں ملا تھا کہ آپ معرکہ کربلا کی امانت تھے۔

حضرت عباسؑ کا نام ومقام نصرت وحمایت امام میں چند خصوصیات کی وجہ سے سب میں نمایاں ہے۔ آپ اپنے

حسن وجمال کی وجہ سے ''قمر بنی ہاشم'' کہے جاتے تھے۔ ہمت وشجاعت کی وجہ سے آپ علمدار حسینی تھے، پابندی حکم امام حسین کو فرض کا درجہ دیتے تھے، امام حسینؑ نے حضرت عباس کو ''افضل الشہدا'' کے ممتاز لقب سے نوازا ہے، امام نے آپ کی شہادت پر یہ شعر پڑھا تھا:

یاافضل الشھدا یابن المرتضیٰ
صلّی علیک اللہ کل اوان

آپ کا لقب ''سقائے حرم'' ہے، کیونکہ آپ نے کربلا میں بچوں کے لئے پانی کے حصول میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا۔ آپ کی کنیت ابوالفضل تھی اور شہادت کے بعد آپ کا لقب ابوقربہ پڑ گیا تھا۔ کیونکہ پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لئے آپ نے پوری کوشش کی۔ آپ نے حصول آب کے سلسلہ میں کنویں کھودے، فرات تک پہنچ گئے اہل حرم تک پانی پہنچانے کے سلسلہ میں آپ کے دونوں ہاتھ کاٹے گئے تھے۔

ساتویں محرم ۶۱ ھ کے بعد ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کے نام آیا کہ حسینؑ اور اطفال حسین پر پانی بند کردو۔

عمر بن سعد نے عمر بن حجاج کو پانچ سو سواروں کے دستہ کے ساتھ نہر فرات پر بٹھا دیا اور امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر مکمل بندش کردی گئی۔ اس موقع پر دشمن نہایت بے شرمی وبے حیائی سے کہتے تھے۔

''اے حسینؑ اس پانی کو کتّے اور عراق کے جنگلی سور اور گدھے، بھیڑیے پیتے ہیں اور دل ٹھنڈا کرتے ہیں مگر خدا کی قسم تم کو پانی کا مزہ چکھنے کے لئے بھی ایک قطرہ نہ ملے گا، یہاں تک کہ (معاذ اللہ) جہنم کے گرم پانی سے سیراب ہو۔''

امام حسینؑ کو بندش آب سے زیادہ دشمن کی سخت کلامی کا صدمہ تھا۔ جب امام حسینؑ سے بچوں کی پیاس نہ دیکھی گئی تو روایات میں ملتا ہے کہ حضرت عباسؑ کو بلا کر فرمایا کہ ان کے لئے پانی کا انتظام کرو اور کنواں کھودو۔ کنواں کھودا گیا لیکن پانی نہیں نکلا اور پھر اسے بند کردیا۔ پیاس کی شدت آفتاب کی تیزی زمین کی گرمی ایسے سخت اور نازک وقت میں عراق جیسی خشک زمین پر کنواں کھودنا حضرت عباسؑ ہی کا کام تھا۔

ابن زیاد نے شمر کے مشورے سے عمر بن سعد کو خط لکھا کہ بغیر تاخیر حسینؑ پر حملہ کردو۔ جب ابن زیاد خط روانہ کرنے لگا تو حاضرین دربار میں سے ایک شخص جریر بن عبداللہ اٹھا اور ابن زیاد سے کہنے لگا:

''اے امیر جب علیؑ اپنی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں مقیم تھے تو میری چچازاد بہن ام البنین سے نکاح کیا تھا، ان سے چار لڑکے ہوئے تھے، عبداللہ، جعفر، عباس اور عثمان۔ یہ سب میرے بھانجے ہیں آپ انھیں ایک امان نامہ لکھ دیں۔''

ابن زیاد نے کہا میں نے ان کو امان دی، جریر نے ایک خط میں امان کا ذکر کیا اور اپنے غلام عرفان کو بلا کر کہا کہ فوراً کربلا جا کر اس خط کو عباسؑ کو دے دو۔ خط میں تحریر تھا:

''اے عباس زمانہ بہت ناسازگار رہے اور حفاظت جان ومال ہر انسان پر واجب ہے تم فوراً حسین کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہوجاؤ۔'' حضرت عباسؑ نے اس خط کو پڑھ کر فوراً پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور عرفان سے کہا جا کر کہہ دو کہ ہمارے لئے خدا کی امان کافی ہے۔ عرفان شمر کے سامنے یہ واقعہ دہراتا ہوا کوفہ واپس چلا گیا اور جریر کو اطلاع کی۔

نویں محرم کی صبح کو شمر بدنہاد ابن زیاد کا وہ خط لے کر کربلا میں وارد ہوا جس میں امام حسینؑ کے متعلق لکھا ہوا تھا کہ: ''اگر حسینؑ بیعت کرلیں تو ان کو زندہ ہمارے پاس لاؤ ورنہ ان پر حملہ کرو اور تلواروں سے گردن کاٹ کر لاشوں پر گھوڑے دوڑا دو۔''

شمر حضرت عباس کی والدہ کے قبیلہ کا فرد تھا اپنے زعم ناقص میں امام حسین کو کمزور کرنے کے لئے اس نے بھی ابن زیاد سے حضرت عباس اور ان کے بھائیوں کے لئے امان نامہ لے لیا تھا۔

عرب میں قبیلے کے مرد اپنے قبیلہ کی لڑکی کی اولاد کو بھانجے اور بھانجی کہا کرتے تھے، شمر بھی لشکر سے نکل کر امام کے قریب آیا اور آواز دی:

''ہمارے بھانجے عبداللہ وجعفر وعباس وعثمان کہاں ہیں مجھے ان سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔''

امام نے فوراً حضرت عباس سے کہا کہ اگرچہ یہ باطل پرست اور فاسق ہے لیکن چونکہ تمہارا رشتہ کا ماموں ہے لہٰذا تم اس کا جواب دو۔

حضرت عباس مع بھائیوں کے شمر کی طرف بڑھے اور تند لہجہ میں فرمایا:

''ہمیں کس لئے بلایا ہے؟''

اس نے کہا: ''تم ہماری بہن کے لڑکے ہو، تم لوگوں کے لئے ہر طرح کی حفاظت اور امان ہے، تم ہمارے ساتھ ہولو۔ حسین کے ساتھ اپنی زندگی برباد نہ کرو۔''

حضرت عباس نے انتہائی غیظ وغضب میں فرمایا:

''خدا تیرے ہاتھ توڑ ڈالے ملعون تیری امان پر لعنت ہے۔ اے دشمن خدا ہم اپنے بھائی وسردار حسین بن فاطمہ کو چھوڑیں اور ایک ملعون زادے کی بیعت کریں۔''

جب شمر نے یہ جواب سن لیا اور اسے حضرت عباس کی طرف سے مایوسی ہوئی تو وہ لشکر عمر بن سعد میں پہنچا اور اس سے پرزور خواہش کی کہ اسی وقت خیمہ حسین پر حملہ کردیا جائے۔ ابن سعد نے فوج کو ایسا ہی حکم دیا۔

گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر حضرت زینبؑ نے امام سے کہا بھائی دشمن کا لشکر آ گیا۔ اور پھر حضرت عباس نے بھی لشکر کے حملے کی امام کو خبر کی یہ سنتے ہی امام نے فرمایا:

حضرت عباس کو مقصد معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

''بیعت یا حملہ'' دشمن نے مقصد واضح کیا۔

حضرت عباس نے تمام واقعات امام حسین کے سامنے پیش کئے۔

امام نے ایک رات کی مہلت عبادت کے لئے مانگی اور ابن سعد نے اجازت دے دی اور کہلا بھیجا کہ اگر کل تک بیعت قبول کرلی تو یزید کے پاس زندہ لے چلیں گے اور اگر قبول نہ کی تو ہماری فوج حملہ کرکے تباہ کردے گی۔

ایک رات کی مہلت مانگنے میں امام کی بہت سی مصلحتیں شامل تھیں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اعزا وانصار سے اپنی بیعت اٹھالیں اور ان کو اجازت دیں کہ رات کی تاریکی میں کربلا سے باہر چلے جائیں۔

امام نے مدینے سے کربلا تک آزادی ضمیر اور اپنے فکر وشعور کو کام میں لانے پر جتنا زور دیا تھا اس کی حد اور انتہا نہیں۔ شب عاشور کی تقریر میں امام نے ایسے نازک مرحلے

طے کئے جن کی مثال نہیں۔امام نے فرمایا:

''امابعد! (خدا کی قسم) میں اپنے اصحاب سے زیادہ بہتر کسی کے اصحاب کو نہیں جانتا اور باوفا نہیں پاتا اور نہ اپنے اہلبیتؑ سے زیادہ شائستہ اور بہتر کسی کے اہلبیتؑ کو پاتا ہوں۔خدا تم کو میری طرف سے بہترین جزا دے۔تم آگاہ ہوجاؤ کہ یہ لوگ صرف مجھ ہی کو چاہتے ہیں لہٰذا میں تم سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں۔پردۂ شب حائل ہے،جدھر اچھا سمجھو چلے جاؤ۔

لیکن اس کا اثر فوراً ظاہر ہوا۔مخاطب کیا تھا انصار کو لیکن حضرت عباسؑ بے ساختہ اُٹھ کھڑے ہوئے،جس نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام نے عزیزوں کو مخاطب نہیں کیا تھا،جواب بھی وہی ملا۔اگرچہ صرف تین جملوں میں۔

''ہم ایسا کیوں کریں؟ پھر خود ہی فرمایا،اس لئے کہ آپ کے بعد زندہ رہیں؟ خدا آپ کے بعد ہمیں کبھی زندہ نہ رکھے۔

اس کے بعد جتنی بھی تقریریں ہوئیں سب اسی کے مطابق تھیں۔امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے یہ قیامت خیز رات عبادت میں بسر کی۔

عاشور کی صبح طلوع ہوئی۔تھکے ہوئے بھوکے پیاسے سپاہی موت کے انتظار میں تھے اور مطمئن وخوش تھے۔لشکر حسینی کی ترتیب اور علمبردار کا انتخاب ہوا۔

تاریخ شاہد ہے کہ صبح عاشور امام حسینؑ نے میمنہ لشکر پر زہیر اور میسرہ پر حبیب بن مظاہر کو مقرر کر کے اپنے بھائی عباسؑ کو علم دے کر علمبردار بنایا۔اور پھر جناب زہیر علم فوج لے کر عباسؑ کے پاس آئے اور کہا:

''اے عباس آپ کے پدر بزرگوار حضرت علیؑ نے جب بعد وفات سیدہ عالمؑ شادی کرنی چاہی تو حضرت عقیل سے جو عربی نسب کے ماہر تھے کہا تھا کہ میں ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں جو شریف النفس اور کریم الحسب خاندان کی ہو۔اور اس سے ایسا بہادر بچہ پیدا ہو جو ہمارے فرزند حسین کی بڑی بہادری سے زمین کربلا پر مدد کرے۔

حضرت عباسؑ جوش شجاعت سے بولے: ''واللہ آج وہ شجاعت دکھاؤں گا جو آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔''

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عباس کو یہ منصب جلیل ملنا کوئی معمولی بات نہیں،یہ وہ منصب ہے جو حضرت محمدؐ کے ذریعہ حضرت علیؑ وحضرت جعفرؑ کو ملا تھا۔آج وہی منصب امام حسینؑ سے حضرت عباسؑ نے پایا۔

حضرت عباس نے پہلے اپنے متحد البطن بھائیوں کو بھیجا۔فرمایا مرنے جاؤ تاکہ ہم صبر کریں۔اور اللہ سے اجر کے طالب ہوں۔

جناب عبداللہ میدان کربلا کی جانب روانہ ہوئے اور بڑی جاں بازی سے کام لیا۔جوش کے ساتھ جنگ کی اور جام شہادت نوش فرمایا۔

اب دوسرے بھائی عثمان روانہ ہوئے۔یہ جناب عبداللہ سے دوسال چھوٹے تھے۔آپ نے حضرت علیؑ کے ساتھ چار برس،امام حسنؑ کے ساتھ چودہ برس اور امام حسینؑ کے ساتھ ۲۳ رسال زندگی گزاری۔حضرت علیؑ نے آپ کا نام عثمان رکھا تھا،فرماتے تھے کہ میں نے ان کا نام عثمان اپنے دوست عثمان بن مظعون کی یاد میں رکھا ہے۔

حضرت عثمان نے فرمایا:

''اے حسینؑ کے دشمنو! تم کو معلوم ہے کہ میں معمولی حیثیت کا انسان نہیں ہوں، میرے بزرگ علیؑ ہیں جن کے کارہائے نمایاں دنیا کے سامنے ہیں۔ وہ (علی) رسولؐ خدا کے ابن عم ہیں اور میرا بھائی حسین بے شمار چیدہ انسانوں میں سے ایک ہے۔ وہ رسولؐ اللہ اور ولی اللہ کے بعد سب سے بڑے سردار ہیں۔ اس کے بعد بڑی بہادری سے جنگ کی اور ناگاہ خولی بن یزید اصبحی کے تیر سے شہید ہوئے۔

اب جناب عباس کے بھائی حضرت جعفر عازم میدان جنگ ہوئے، آپ اپنے بھائی عثمان سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ نے بھی خوں ریز جنگ کی، خولی بن یزید اصبحی نے آپ کے خون ناحق سے ہاتھ رنگے۔

شیخ مفید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس کے بھائیوں کی قبر کا نشان نہیں ہے بلکہ یہ سب ان لوگوں میں ہیں جن کو ایک جگہ دفن کیا گیا ہے۔

اپنے بھائیوں کی قربانی دینے کے بعد حضرت عباسؑ میدان جنگ میں تشریف لائے۔ اس وقت امام حسینؑ پر افسردگی چھا گئی۔ آپ نے فرمایا:

''بھائی! تم ہی تو ایک ہمارے لشکر کی نشانی تھے اور تمام لشکر کے علمبردار تھے، جب تم بھی چلے جاؤ گے تو ہماری یہ مختصر جماعت پراگندہ ہو جائے گی۔

لیکن جب حضرت عباسؑ نے اصرار کیا تو امام نے اجازت دے دی اور فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو بچوں کی پیاس کا خیال رکھنا۔

اجازت پا کر حضرت عباس میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے اور فوج یزید کو مخاطب کرتے ہوئے امام مظلوم کا پیغام ان تک پہنچا دیا۔

حضرت عباسؑ نے اب اپنی تلوار کی طاقت سے فوجوں میں انتشار پیدا کیا اور فرات کی طرف پیش قدمی کی۔ اس وقت ایک زبردست شجاعت کا مظاہرہ ہوا۔ آپ نے اسد اللّٰہی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ فوج بھاگ گئی پانی پر قبضہ کر لیا۔ یہاں تک کہ چلو میں پانی بھر لیا۔ ضمیر سے باتیں ہوئیں، ایک فیصلہ ہوا۔ پانی پھینک کر مشک میں پانی بھر کے اس کی حفاظت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ مخالفین کو شکست کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ کمین گاہ سے پہلے داہنا ہاتھ قلم کیا گیا پھر بایاں ہاتھ، پھر بھی آپ مقابلہ کرتے رہے، دانتوں سے مشک پکڑ لی۔ لیکن ایک تیر مشک پر لگا، احساس ذمہ داری کو سخت ضرب لگی۔ سر پر دشمن نے گرز مارا۔ گھوڑے سے زمین پر گرے۔ شجاعت حضرت عباسؑ کی لاش پر ثنا خواں تھی۔ وفاداری نازاں تھی، خلوص کی پیشانی فخر سے چمک رہی تھی۔

شہادت کے وقت آپ کی عمر صرف چونتیس ر ۳۴ سال کی تھی۔ حضرت عباسؑ کی شہادت پر امام نے فرمایا اس وقت میری کمر ٹوٹ گئی۔ چارہ و تدبیر کی راہیں بند ہو گئیں۔

حضرت عباسؑ شہید ہو گئے، اور اپنی زندگی دنیا کے حوالے کر دی کہ جس طرح چاہو اس سے فائدہ اُٹھاؤ۔ مصلح، سیاسی رہنما، کمانڈر ان سب کے لئے آپ کی زندگی بطور مثال موجود ہے۔

وفا، جاں نثاری اور ایثار و قربانی کی یہ شمع بظاہر بجھا دی گئی، لیکن وہ آج بھی پوری طرح ضوفشانی کر رہی ہے۔